رسم عثمانی اور قرآن حکیم کا اعجاز

(مصاحف عثمانیہ کے تناظر میں)

حافظ تاج افسر*

قرآن کریم اسلام کی تمام سابقہ تعلیمات کا جامع اور مکمل اصول وضوابط پر مبنی پیغام الٰہی ہے، اور اسی پر پیغامِ الٰہی کی تکمیل ہوئی۔ اس کا ناگزیر تقاضا تھا کہ اس کا خطاب کل انسانیت کی طرف ہو۔ اس کی حفاظت کا خصوصی انتظام ہو، اور وہ تمام انسانی عقول پر حاوی ہو، اور ہر اعتبار سے ناقابل چیلنج ہو۔ جب عرب کے مخالفین نے قرآن کریم کو رسول اللہ ﷺ کا خود ساختہ کلام قرار دیا، تو خود قرآن حکیم نے یہ چیلنج دیا کہ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾ (۱) ”آپ اعلان کر دیجیئے کہ اگر تمام انس وجن قرآن حکیم جیسی کتاب لانے پر متفق بھی ہو جائیں، اور ایک دوسرے کی معاونت بھی کریں تو وہ لا نہیں سکیں گے۔“

جب مخالفین کی طرف سے اس کا جواب نہ آیا تو یہی اعلان دس سورتیں لانے کے حوالہ سے کیا۔ ارشاد ہے ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ﴾ (۲)۔ جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو ایک سورۃ لانے کا چیلنج کیا گیا ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ (۳)۔ ان تمام اعلانات کا جواب دینے کی بجائے انہوں نے جنگ اور سازشوں کے ذریعے سے مقابلہ کرنا چاہا، لیکن قرآن کے اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے۔ یہ بات تو پوری امت کے ہاں مسلم ہے کہ قرآن حکیم معجزہ الٰہی ہے البتہ معجزہ کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن حکیم کن وجوہ میں معجز ہے؟ ہر زمانے اور ہر خطے کے لوگوں نے اس کو اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھا اور مختلف تعبیرات میں اس کی وضاحت کی۔ اس مقالے میں رسم عثمانی کے حوالے سے اعجاز قرآنی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز علم الرسم کی تعریف، اہمیت، مصاحف صحابہ کا رسم کے حوالے سے مختصر جائزہ، معجزہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم اور قرآن حکیم کی وجوہ اعجاز کا مختصر ذکر کرتے ہوئے رسم الخط کے تناظر میں اس کے اعجاز پر گفتگو کی گئی ہے۔

علم الرسم کی تعریف:

رسم لغت میں خط، کتابت اور نشان کے معنی میں آتا ہے۔ عرب کے ہاں ”ثوب مرسم“ اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جس پر لمبے خطوط کے نشانات ہوں (۴)۔ لکھی ہوئی چیز کو رسم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ملفوظ کے نشانات ہوتے ہیں (۵)۔ علمی اصطلاح میں رسم دو قسم پر ہے۔ ۱۔ رسم قیاسی ۲۔ رسم سماعی

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، کلیہ اصولِ دین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان

رسم قیاسی کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔ ”ھو تصویر اللفظ بحروف ھجائھا علی تقدیر الابتداء بھا والوقف علیھا“ (٦)۔یعنی حروف ہجاء سے مرکب الفاظ کی ایسی شکل جس سے ابتداء اور وقف کا اندازہ ہو سکے۔اور رسم سماعی کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔”الوضع الذی ارتضاہ عثمان ؓ فی کتابة کلمات القرآن وحروفه“ (٧)۔کتابت کی وہ شکل جس کو حضرت عثمان ؓ نے قرآنی کلمات اور حروف لکھنے میں اختیار کیا۔رسم سماعی کو رسم عثمانی، رسم اصطلاحی اور رسم توقیفی بھی کہا جاتا ہے(٨)۔یہ تعریف جامع اور واضح ہے گو اور تعریفات بھی کی گئی ہیں (٩)۔رسم عثمانی اور رسم سماعی میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر عام قواعد کتابت کے مطابق ہے۔جبکہ رسم سماعی یا رسم عثمانی میں کچھ کلمات قواعد کے مخالف بھی لکھے گئے ہیں۔اور یہ دو وجہ سے ہے۔

١۔ اختلاف قراءت کی حفاظت کے لئے، جیسے ﴿وَلَا تَطْرُدِالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوةِ﴾ (١٠) میں دال کے بعد الف پڑھا جاتا ہے جبکہ لکھی ہوئی واؤ ہے عبداللہ ابن عامر شامی اس کو واؤ مفتوحہ سے پڑھتے ہیں ”بالغدوَة“(١١)۔

٢۔ کسی کلمے کی اصلیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جیسے الصلوٰة اور الزکوٰة میں واؤ کو الف کے ساتھ اس لئے لکھا گیا کہ معلوم ہو سکے کہ الف واؤ سے بدلا ہوا ہے یاء سے نہیں یعنی اصل اس کلمہ کی واوی ہے یائی نہیں (١٢)۔اس طرح اہل لغت کے تلفظ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے، جیسے ”الربوٰ“ کو اہل حیرہ، جو قریش کے کتابت کے استاد تھے ہونٹوں کو گول کر کے واؤ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے الف کو پڑھتے تھے۔تو اس کلمہ میں اصل اہل لغت کا لحاظ رکھتے ہوئے واؤ کے ساتھ لکھا گیا ہے، جبکہ قریش محض الف پڑھتے تھے (١٣)۔ایسے ہی سریانی زبان میں عموماً الف حذف کیا جاتا تھا تو عربوں کے ہاں بھی اس کا رواج ہوا اور مصحف عثمانی میں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا جیسے الکتاب کو بغیر الف کے الکتٰب لکھتے ہیں (١٤)۔

عرب میں رسم الخط کا آغاز وارتقاء:

جزیرة العرب کا مرکز مکہ مکرمہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت ھاجرہؑ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہجرت سے آباد ہوا۔یہ پورا خطہ مجموعی طور پر تجارت پیشہ ہونے اور قوت حافظہ کی وجہ سے کتابت کا زیادہ محتاج نہ تھا، قرآن حکیم نے بھی اس کے رہنے والوں کو امیین سے تعبیر کیا ہے، ارشاد ہے ﴿ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ﴾ (١٥) اور اس لقب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر بھی کیا گیا ﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ (١٦) اور خود قرآن حکیم نے اس کی وجہ بھی بیان کردی ہے کہ ﴿وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًالَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾(١٧) کہ باطل پرست اس کو ہاتھ کا لکھا ہوا گردانتے۔لکھنے پڑھنے کے حوالہ سے قریش کی یہ عمومی صورتحال تھی تاہم اس کے ساتھ ساتھ کچھ افراد یا ایک طبقہ ایسا تھا جو لکھنا جانتا تھا۔چنانچہ اس بابت حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے پوچھا گیا کہ تم لوگ جاہلیت میں عربی کتابت کے ملا کر لکھنے اور الگ لکھنے کے

طریقے جانتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں! سائل نے پوچھا تمھیں یہ کتابت کس نے سکھائی؟ فرمایا حرب بن امیہ بن عبد شمس (ابوسفیانؓ کے والد) نے۔ سائل نے پوچھا، ان کو کس نے کتابت سکھائی؟ فرمایا عبداللہ بن جدعان (حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چچازاد بھائی) اور بشر بن عبدالملک (عراق کے علاقے دومۃ الجندل کے حکمران، اکیدر بن عبدالملک کے بھائی) نے۔ چونکہ بشر کے حرب بن امیہ کے ساتھ انتہائی گہرے تجارتی تعلقات تھے انہی تعلقات کی بنیاد پر حرب نے اپنی بیٹی صہباء (ابوسفیانؓ کی ہمشیرہ) کی شادی بشر سے کی تھی۔ چنانچہ حرب اور بشر نے عرب میں کتابت کو فروغ دیا۔ سائل نے مزید پوچھا کہ انہوں نے کتابت کہاں سے سیکھی؟ فرمایا انبار (۱۸) والوں سے۔ سائل نے مزید پوچھا کہ اہل انبار نے کہاں سے سیکھی؟ فرمایا خلجان بن موھم سے جو حضرت ھود علیہ السلام کے کاتب تھے (۱۹)۔ یہ تاریخ قریش عرب کی تھی۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں یہودی علماء کے ہاں کتابت کا رواج تھا۔ ہجرت کے وقت نبی اکرم ﷺ نے ایک یہودی عالم کو دیکھا وہ بچوں کو کتابت سکھا رہا تھا۔ جو لوگ کتابت میں شہرت رکھتے تھے ان میں منذر بن عمرؓ (۲۰)، ابی بن کعبؓ (م-۲۱ھ) جیسے مشہور حضرات شامل ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابتؓ کو سریانی زبان بولنے اور لکھنے کی تعلیم کیلئے بھیجا تھا (۲۱)۔ اس وقت یہ خط انباری حمیری (۲۲) کہلاتا تھا۔ جب کوفہ تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں کا مرکز بنا تو علم فقہ، علم قراءت کی طرح علم رسم نے بھی تحسین کی منازل طے کیں۔

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (م-۸۶ھ) نے خالد بن ابی الہیاج (م-۷۷ھ) (۲۳) کو قرآن حکیم کے خوش خط نسخے تیار کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ خالد خط کے جمال میں مشہور ترین آدمی تھے۔ عباسی دور میں محمد بن مقلہ (۲۴) نے خط کوفی کو اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بام عروج تک پہنچایا (۲۵) چوتھی صدی کے اواخر تک قرآن حکیم خط کوفی میں لکھا جاتا رہا۔ البتہ پانچویں صدی میں خط کوفی کی جگہ خط نسخ نے لے لی، جس پر آج تک قرآن حکیم لکھا جا رہا ہے (۲۶)۔

نبی کریمؐ اور فنِ کتابت:

یہ حقیقت مسلّم ہے کہ نبی اکرم ﷺ شروع میں لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ یہ نص قرآنی سے ثابت ہے قرآن حکیم میں ہے۔ ﴿وَمَا كُنتَ تَتۡلُوا۟ مِن قَبۡلِهِۦ مِن كِتَٰبٖ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَۖ إِذٗا لَّٱرۡتَابَ ٱلۡمُبۡطِلُونَ﴾ (۲۷) البتہ یہ بات مختلف فیہ ہے کہ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا یا نہیں؟ تعامل سے نہ کہ تلمذ سے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے معراج کی رات جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقہ کا ثواب دس گنا اور قرض دینے کا ثواب اٹھارہ گنا ہے (۲۸)۔ اور امام بخاریؒ نے صلح حدیبیہ کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے ”فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم الكتاب وليس يحسن الكتاب، فكتب هذا ما قاضى عليه محمد بن عبدالله“ (۲۹)۔ ایک موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہؓ کو لکھنے کے متعلق ہدایات دیں۔

”الق الدواة، حرّف القلم، وانصب الباء، فرق السين، ولا تعور الميم، وحسن الله، ومد

الرحمن، جود الرحیم، وضع قلمک علی اذنک الیسری، فأنه اذکر لک'' (۳۰) علامہ آلوسی نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد اسکو راجح قرار دیا ہے (۳۱)۔

علم الرسم کی اہمیت:

عربی رسم الخط مختلف اعتبارات سے دوسرے کئی رسم الخط سے ممتاز ہے۔ عربوں کے ہاں قواعد رسم میں جو امور معروف تھے، ان کا لحاظ تو رکھا ہی گیا ہے۔ تاہم اسکے ساتھ قرآن حکیم نے کچھ نئی مثالوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ جیسے حروف مقطعات کی کتابت۔ بظاہر الٓمٓ کو ملا کر پڑھنا چاہئے تھا مگر مقطعات میں تینوں کو قطع کرکے پڑھنے کا حکم دیا ہے اس انداز رسم کے کئی فوائد ہیں۔

۱۔ رسم کے اختلاف میں قراءات کی وجوہ کا لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے کہ کبھی ایک رسم الخط دیگر قراءات کو شامل نہیں ہوسکتا۔ جیسے حذف واثبات، مثلاً ﴿وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ (۳۲) کو مصحف مدنی اور شامی میں بغیر واو کے سارعو، جبکہ دیگر قراء کے ہاں واو کے ساتھ ہے۔ اور یہ دو قرأتیں ہیں (۳۳)۔ اور اس کا تعلق قرآنی خصوصیات کے ساتھ ہی ہے۔

۲۔ عرب کے فصیح لہجات میں قرآن حکیم کے نازل ہونے کی تصدیق بھی رسم الخط سے ہوتی ہے۔ جیسے ﴿قَالُوا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ﴾ (۳۴) مصاحف عثمانیہ چونکہ حرکات اور نقاط سے خالی تھے، اس لئے اس جملہ کے لکھنے کی صورت یہ تھی۔ ان ھدں لسحر ں اس میں متعدد قراءات متواترہ ہیں۔ جن میں سوائے ایک کے سب پر یہ رسم منطبق ہے۔ اور وہ ایک صورت عام عرب لہجات کے برعکس بنو حارث بن کعب کے لہجے کو تسلیم کرنے سے ہی ممکن ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اِنَّ هـٰذَانِ: ان مشددہ کیساتھ ھٰذان منصوب بالألف۔ امام نافع، ابن عامر شامی، شعبہ، حمزہ وکسائی نے پڑھا ہے (۳۵)۔ اور یہ جمہور کے قواعد نحویہ کے خلاف ہے۔ لیکن قراءات، جن کا تعلق سماع سے ہے، کے مقابلے میں قواعد نحویہ کوئی معنی نہیں رکھتے۔ مشہور یہی ہے کہ اِنَّ مشبہ بالفعل کا اسم اگر تثنیہ ہو، تو منصوب بالیاء ہوتا ہے (۳۶) جبکہ یہاں الف کے ساتھ ہے۔ اسی لئے ائمہ لغت نے اس کی وضاحت کردی ہے کہ یہ بنو حارث بن کعب کا لہجہ ہے۔ وہ الف تثنیہ کو مرفوع، منصوب، مجرور تینوں صورتوں میں باقی رکھتے ہیں (۳۷)۔ اس بناء پر وہ جاءَ الرَّجُلاَنِ رَأَيتُ الرَّجُلاَنِ مررتُ بِالرَّجُلاَنِ بولتے ہیں۔ اور اسکے شواھد بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ شعر ہے:

تزود منا بین أذناه طعنة دعته الی هابی التراب عقیم (۳۸).

أذناہ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے عام نحویوں کے قاعدہ کے مطابق یاء کے ساتھ ہوتا، لیکن شاعر نے بنو حارث بن کعب کی نمائندگی کی ہے۔ اور ''اذناہ'' کو الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ رہا یہ کہ اس صورت میں رسم کا انطباق کیسے ہوگا کہ رسم یاء کے ساتھ ہے؟ تو ایک ایسا مشہور مسئلہ ہے جو عربی رسم الخط میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ جیسے ذکرٰھا، مجرٖھا، تقوٰھا وغیرہ یہ تمام

کلمات لکھے یاء سے جاتے ہیں۔ جبکہ ان سب میں پڑھا الف جاتا ہے۔ اسی طرح ھٰذین میں الف یاء سے بدلا ہوا پڑھا جاتا ہے۔

۳۔ دوران تلاوت وقف غلط ہونے سے بسا اوقات معانی بھی بدل جاتے ہیں۔ صحیح وقف اور غلط وقف میں رسم کا بہت زیادہ دخل ہے۔ مثلاً تاء تانیث رسم قرآنی میں کئی ایک جگہ تاء طویلہ کی صورت میں لکھی گئی ہے۔ اور بعض دوسری جگہوں میں گول تاء کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ جہاں تاء طویلہ ہے وہاں وقف تاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جہاں گول تاء ہو وہاں وقف ھاء کے ساتھ ہوگا۔ اور اس کو وقف بالا بدال کہتے ہیں۔ ﴿اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ﴾ (۳۹) میں تاء طویلہ کے ساتھ وقف کیا جاتا ہے۔ اگر گول تاء ہوتی اور اس کا وقف ھاء سے کیا جاتا، تو یہ اللاہ بن جاتا جو نطق میں اسم اللہ کے ساتھ ملتبس ہو جاتا۔ اس حکمت کے پیش نظر حضرت عثمانؓ نے قرآن حکیم جمع کرنے والی کمیٹی سے فرمایا تھا ''اذا اختلفتم أنتم وزید فی شئ من القرآن فاکتبوہ بلسان قریش'' (۴۰) تو ''التابوت'' میں اختلاف ہوا، جس کا حل قریش کے لہجہ سے کیا گیا کہ وہ وقف میں التابوت کہتے ہیں، التابوہ نہیں کہتے۔ لہذا اس کلمے کو لمبی تاء کے ساتھ لکھ دیا گیا (۴۱)۔

۴۔ ایک ہی کلمہ قرآن حکیم میں ایک جگہ مقطوع لکھا گیا ہے۔ جیسے ﴿فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلاً﴾ (۴۲) اس آیت میں ام کو من سے کاٹ کر لکھا گیا ہے، جبکہ یہی کلمہ ﴿اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (۴۳) میں موصول لکھا گیا ہے۔ یعنی ایک ہی میم مشدد لکھی گئی ہے۔ اس مقطوع اور موصول میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام الگ لکھا ہو تو وہ بل کے معنی میں ہو کر اضراب (۴۴) کا فائدہ دیتا ہے۔ جبکہ ایک ہی میم مشدد ہو تو وہ ادغام میں تاکید کا فائدہ دیتا ہے (۴۵)۔

۵۔ مصاحف عثمانیہ لکھتے وقت حرکات اور نقاط نہیں تھے۔ جب کبھی حرکت کے اظہار کی ضرورت ہوتی، تو ایسے مواقع میں حرکت کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے متعلقہ حرف لکھ کر حرکت کی طرف اشارہ کر دیا جاتا۔ جیسے ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی﴾ (۴۶) میں ہمزہ کی حرکت معلوم نہ ہونے اور التباس پیدا ہونے کی وجہ سے کسرہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری تھا، تو اِیْتَـآئِ میں ہمزہ بصورت یاء لکھ دیا تاکہ کسرہ کی طرف اشارہ ہو۔ اسی طرح ﴿سَاُرِیْکُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ﴾ (۴۷) میں ہمزہ کے ضمہ کو واو کے ساتھ ظاہر کر کے سَاُوْرِیْکُمْ لکھا گیا ہے (۴۸)۔

۶۔ رسم قرآنی کی وجہ سے کئی دفعہ کسی کلمے کے اشتقاق معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جیسے الصلوۃ اور الزکوۃ میں الف کو واو کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ الف واوی ہے یائی نہیں ہے۔ لہذا جمع معلوم کرنے میں آسانی ہو گئی کہ ان کی جمع صلوات اور زکوات آتی ہے صلیات اور زکیات نہیں آتی ہے (۴۹)۔

۷۔ کبھی رسم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قوت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ جیسے ﴿وَالسَّمَآءَ

بَنَیۡنٰهَا بِاَیۡیدٍ﴾ (۵۰) ایید کو دو یاء کے ساتھ لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آسمان کے پیدا کرنے والے کی قوت تمام قوتوں پر فائق ہے (۵۱)۔

۸۔ رسم قرآنی کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگ از خود قرآن حکیم کی درست تلاوت نہیں کر سکتے۔ جب تک قرآن حکیم کے ماہر سے پڑھ نہ لیں۔ اور یہ شان معلم، سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو عطاء کی گئی۔ آپؐ کے تربیت کرنے کے شعبہ جات میں سے ایک شعبہ، تلاوت آیات کا بھی تھا۔ اس سے قرآن حکیم کی عظمت انسانی دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے، اور پڑھانے والے کا احترام طبیعت میں پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا واضح اظہار حروف مقطعات میں ہوتا ہے جیسے **کھیعص** اور **عسق** اور **طسم** بغیر استاد کے پڑھائے، از خود نہیں پڑھے جاسکتے (۵۲)۔

۹۔ جب یہ کلمات قرآنیہ بغیر کسی معلم کے نہیں پڑھے جاسکتے، تو امم سابقہ کے ہاں جو تحریف لفظی ہوئی ہے، انتہائی اہتمام کی وجہ سے قرآن حکیم کی تحریف لفظی کا امکان باقی نہ رہا (۵۳)۔

۱۰۔ اس رسم الخط کی وجہ سے سلسلہ بسلسلہ سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اور یہ اس امت کی اہم خصوصیات میں سے ہے (۵۴) یہ چند فوائد اور حکمتیں ہے جو علم الرسم القرآنی میں پنہاں ہیں۔

رسم عثمانی کے التزام کا حکم:

جب یہ بات ثابت ہو چکی، کہ رسم قرآنی دو قسم ہے، ایک وہ جو عام قواعد کتابت کے موافق ہے۔ اور اس کی قراءت بھی ظاہری کتابت کے مطابق ہے۔ اس کتابت کی پابندی کرنے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ جو کلمات، عام عربی قواعد کتابت کے مخالف ہیں، تو ان کے لکھنے میں رسم عثمانی کی پابندی لازم ہے، یا عام قواعد کتابت کے مطابق لکھا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں ائمہ فن کے ہاں مختلف آراء ہیں۔

۱۔ پہلی رائے یہ ہے کہ رسم عثمانی توقیفی ہے۔ اس کے خلاف کوئی بھی جملہ لکھنا درست نہیں۔ یہ رائے متقدمین کے ہاں اکثر اور متاخرین کے ہاں کم ملتی ہے جن میں سے مشہور ترین امام مالک بن انس (م-۱۷۹ھ) یحیی نیسا پوری (م-۲۲۶ھ) امام احمد بن حنبل (م-۲۴۱ھ) ابو عمرو دانی (م-۴۴۴ھ) علی بن محمد سخاوی (م-۶۴۳ھ) احمد بن حسین البیہقی (م-۴۵۸ھ) ہیں۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ رسم عثمانی کی مخالفت جائز ہے یا نہیں؟ تو فرمایا میں اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ بلکہ قرآن حکیم اولین کتابت پر ہی لکھا جائے (۵۵) اس پر علامہ دانی تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام مالک کی اس رائے کا کوئی بھی مخالف نہیں ہے (۵۶) امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ واو، الف اور یاء میں مصاحف عثمانیہ کے خلاف لکھنا حرام ہے (۵۷)۔ ان حضرات کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کی املاء خود کروائی ہے، کبھی آپؐ نے تصحیح بھی کی ہے۔ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو قلم کے استعمال کے درست طریقے بھی بتائے ہیں (۵۸) اگر اس کی اہمیت نہ ہوتی تو حضورؐ اتنا اہتمام نہ فرماتے:

۲۔ نبی ﷺ کے رسم کے مطابق ہی حضرت ابوبکرؓ نے قرآن حکیم کو جمع کیا۔

۳۔ حضرت عثمانؓ نے جو کمیٹی تشکیل دی، اس میں مصحف صدیقی کی رسم کی مخالفت نہیں کی۔ اور اسی پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام احمد بن حسین البیہقی (م-۴۵۸ھ) شعب الایمان میں فرماتے ہیں، جو شخص قرآن شریف لکھے، مناسب ہے کہ اسی ھجاء کی پابندی کرے، جو حضرات صحابہ کرامؓ لکھ چکے ہیں۔ کسی بات میں ان کی مخالفت نہ کرے۔ وہ ہم سے علم میں زیادہ تھے، قلب ولسان کے ہم سے زیادہ صادق تھے، اور امانت میں عظیم الشان تھے۔ لہذا ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ان پر کوئی حکم لگائیں (۵۹)۔

۲۔ دوسری رائے مذکورہ بالا رائے کے بالکل عکس ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسم عثمانی بے شک پہلی کتابت پر اتفاقاً قائم، رہا لیکن اس کی تمام اوضاع کاتبین وحی کی اپنی اختیار کردہ ہیں۔ دور نبوی ﷺ میں مختلف اوقات میں مختلف کاتبین نے وحی کو لکھا، جن کی تعداد تقریباً چالیس ہے، اسی رسم پر حضرت عثمانؓ کے دور میں اتباع کی گئی، لیکن اس کو توقیفی یا سماعی نہیں کہہ سکتے۔ یہ رائے الباقلانی (م-۴۰۳ھ) اور ابن خلدون (م-۸۰۸ھ) کی ہے۔ الباقلانی فرماتے ہیں، کتابت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بھی واجب نہیں۔ کیونکہ کاتبین قرآن اور خطاطین مصاحف پر من جانب اللہ کسی بھی رسم کو معین نہیں کیا گیا، کہ اسی کی پابندی کی جائے، اور دیگر کوئی رسم اختیار نہ کی جائے، وجوب کیلئے سماع اور توقف کا پایا جانا ضروری ہے۔ جو کتاب وسنت سے نصاً یا مفہوماً ثابت نہیں، بلکہ اجماع امت سے بھی کوئی واجب قرار دینے والی ہدایت نہیں ملتی۔ البتہ اس کے برعکس سنت رسول اللہ ﷺ سے بطریقہ اشارۃ النص یہ ثابت ہوتا ہے کہ دیگر آسان طریقوں پر بھی لکھنے کا جواز موجود ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ وحی لکھنے کا حکم فرماتے، لیکن کسی معین صورت پر لکھنے کی ہدایت نہیں فرماتے تھے۔ اور نہ کسی طریقہ پر لکھنے سے منع فرماتے تھے (۶۰)۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو جہاں رواج ہو، اور آسان ومشہور ہو، وہی رسم اختیار کر لینا جائز ہے۔ ایسا کرنا نہ گناہ ہے نہ بدعت ہے۔ اور یہی رائے علامہ ابن خلدون (م-۸۰۸ھ) کی ہے (۶۱) اس رائے کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ کاتبین مصحف کو رسم مصحف میں مکمل آزادی ہے حالات کے مطابق جیسے چاہیں لکھیں۔

۳۔ تیسری رائے اس سلسلے میں اعتدال پر مبنی ہے اور فریقین کے درمیان فیصلہ کر دینے والی ہے، اور وہ یہ ہے کہ عوام الناس کیلئے تو مروجہ قوانین کتابت کے مطابق قرآن حکیم کی کتابت کرنی چاہئے، لیکن رسم عثمانی کی اصل کے بقاء کی خاطر خواص یعنی علماء وقراء کیلئے رسم عثمانی کی ہی پابندی کرنی چاہئے۔ گویا جواز طرفین کا موجود ہے۔ البتہ اسلاف کی روایات کا ضیاع،

قوموں کے ہاں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ یہ رائے امام زرکشی (۶۲) اور عزبن عبد السلام (م-۶۶۰ھ) (۶۳) کی ہے (۶۴) ان تین آراء کا موازنہ کیا جائے تو پہلی رائے بے لچک معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ رائے ایسی ہی ہے جیسے ایک دور میں علم الکلام کو غلط اور مردود کہا جا رہا تھا، چونکہ وہ پہلے دور کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن بعد میں اس کی حقیقت مسلّم ہوگئی۔

جہاں تک دوسری رائے کا تعلق ہے اور وہ رائے باقلانی اور ابن خلدون کی ہے، تو اگر اس سے مراد یہ ہے کہ رسم خط میں قراءات کا لحاظ رکھے بغیر بھی تبدیلی کی جاسکتی ہے، تو یہ درست نہ ہوگا، کہ قراءات کی صحت پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کی موافقت اس کی صحت کی علامت ہے۔ جیسا کہ شُرَکَاؤُهُمْ مرفوع ہو تو ہمزہ بصورت واؤ لکھا جاتا ہے۔ اور اگر مجرور ہو تو شُرَکَائِهِمْ بصورت یاء لکھا جاتا ہے۔ چونکہ دوسری قراءت امام عبداللہ بن عامر شامی (م-۱۱۸ھ) کی ہے۔ جن کے ہاں آیت اس طرح ہے۔ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ ماضی مجہول کے ساتھ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلُ مرفوع بنا بر فاعلیت اَوْلَادَهُمْ منصوب بنا بر مفعولیت برائے مصدر شُرَكَائِهِمْ مضاف الیہ جبکہ دیگر تمام قراء نے اس کو شُرَكَاؤُهُمْ مرفوع پڑھا ہے۔ امام شاطبی (م-۵۹۰ھ) فرماتے ہیں:

لدار شام وقل أولادهم شركا ئهم بياء به مرسومه نصرا (۶۵)

قاری نذر محمد (م-۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں:

"وكذلك زين لكثير من المشركين قتل اولادهم شركاؤهم في المصحف الشامي زين بصيغة الماضي المجهول وقتل برفع اللام وأو لادهم بالنصب وشركا ئهم بالخفض والهمزة بصورة الياء "(۶۶)

اس صورت میں تو رسم مصحف کی اتباع لازم ہے اور اگر رسم عثمانی کی تحسین اور تسہیل کا مسئلہ ہو تو دوسری رائے کو بھی لیا جاسکتا ہے (۶۷)۔

کتابت مصاحف کا پہلا دور:

قرآن حکیم کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور اس کا نزول 23 سال کے عرصے میں مکمل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حیات طیبہ میں قرآن حکیم کی ایک مصحف میں تدوین ممکن نہیں ہوسکی۔ مزید برآں یہ کہ مختلف اوقات میں متعدد وفود اور افراد آتے۔ نبی اکرم ﷺ ان کو قرآن حکیم بمع تفسیر سکھاتے، اور وہ دور دراز اپنے علاقوں میں جاکر یہ سلسلہ جاری رکھتے۔ اس طرح قرآن حکیم جزوی طور پر یعنی ایک سورت دو سورتیں، یا چند آیات ان کے پاس لکھی ہوتیں، اور اس میں تفسیری جملے بھی ہوتے تو اس طرح مکمل ہونے سے پہلے ایک کتابی شکل میں جمع کرنا ممکن نہ تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم کی ترتیب جو لوح محفوظ میں ہے وہ اور ہے، اور ترتیب نزولی اور ہے۔ چنانچہ ترتیب نزولی میں سب سے پہلے سورۃ العلق کی آیات ہیں (۶۸) اور سب سے آخری آیت ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ (۶۹) ہے (۷۰)۔ لہذا بغیر مکمل ہوئے ایک کتابی شکل میں تدوین ممکن نہ

تھی۔ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ نزول قرآن کے وقت عربوں کے ہاں خصوصا کاغذ کی کمی کا مسئلہ درپیش تھا۔یہی وجہ ہے کہ وہ اونٹ کی کھال، کھجور کے چھال، شانہ کی ہڈی اور پتھر کے تراشوں پر لکھتے تھے (۷۱) اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ کتابت جاننے والے لوگ بھی کم تھے۔اس لئے فوری طور پر مکمل قرآن حکیم مدون کرنا ممکن نہ تھا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضورؐ نے آخر میں کیوں مدون نہ کیا؟ تو درحقیقت آپؐ آخری آیت کے نزول کے صرف ۹ دن بعد دنیا میں تشریف فرما رہے۔اور پھر اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف تشریف لے گئے۔اس قلیل مدت میں تدوین ممکن نہ تھی۔تاہم جس قدر نزول ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ کاتبین کو بلا کر لکھواتے تھے۔جن میں سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ مشہور تھے (۷۲)۔اس کے ساتھ صحابہ کرام نے اپنے طور پر جو کچھ سنا، وہ لکھ لیا۔ایسے مصاحف جو صحابہ کرامؓ نے اپنے لئے لکھے تھے، یقینی بات ہے کہ وہ بھی پورے نہ تھے۔کیوں کہ وہ دور دراز سفر میں بھی گئے، اور مستقل بعض علاقوں میں کام کرنے بھی گئے۔ان مصاحف میں سے چند مشہور یہ ہیں۔

۱۔حضرت عمرؓ کا مصحف، ۲۔حضرت علیؓ کا مصحف، ۳۔حضرت عائشہؓ کا مصحف، ۴۔حضرت حفصہؓ کا مصحف، ۵۔حضرت ام سلمہؓ کا مصحف، ۶۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا مصحف، ۷۔حضرت ابی بن کعبؓ کا مصحف، ۸۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مصحف، ۹۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مصحف، ۱۰۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا مصحف (۷۳)۔

کتاب المصاحف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصاحف صحابہؓ کے شاگردوں نے از خود مرتب کئے تھے۔اور یہ مصاحف مکمل نہیں تھے۔نیز ان میں رسول اللہؐ کے تفسیری جملے اور صحابہ کرامؓ کے فقہی استنباط بھی شامل تھے۔یہ کتابت قرآن کا پہلا دور تھا۔

دوسرا دور:

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دور آیا اور دیگر معرکوں کی بنسبت سخت معرکہ، یمامہ میں پیش آیا۔جس میں مدمقابل جھوٹے نبوت کے دعویدار تھے، اور جن کا راہنما مسیلمہ کذاب تھا، اس میں سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے، جن میں ستر قراء صحابہؓ تھے۔اس سے یہ خدشہ ہوا کہ اگر قراء صحابہ کا قتل ایسے ہی جاری رہا، تو قرآن حکیم ضائع ہو جائے گا۔جبکہ مکمل قرآن حکیم کا خالص متن مدون شکل میں موجود نہ تھا۔خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ کو سب سے پہلے اس کی طرف حضرت عمرؓ نے متوجہ کیا۔باہمی مشورہ سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کیلئے سربراہ کے طور پر حضرت زید بن ثابتؓ کا انتخاب کیا گیا، ان کے انتخاب کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

۱۔حافظ بے مثال تھا۔ ۲۔ کسی تحریف کے حوالے سے بااعتماد تھے۔

۳۔ نبی اکرم ﷺ کے آخری رمضان میں جبرائیل امین کے چار ختموں میں شریک تھے۔لہذا وہ مکمل طور پر جانتے تھے کہ قرآن حکیم کا اول اور آخر کیا ہے؟متن قرآن کیا ہے؟اور تفسیری جملے کیا کیا ہیں وغیرہ،جمع قرآن کے حوالہ سے جن اہم نقاط کا تعین کیا گیا اور جو اس کی خصوصیات ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ عام اعلان کیا گیا کہ جن لوگوں کے پاس قرآن حکیم کی کوئی آیت لکھی ہوئی ہو اور اس نے وہ آیت رسول اللہؐ کے سامنے لکھی ہو،وہ لیکر آئے۔

۲۔ اس کے ساتھ دو عادل ضابط گواہ ہوں جو اس بات کی شہادت دیں کہ واقعی یہ آیت حضورؐ کے سامنے لکھی گئی ہے۔

۳۔ مسجد نبویؐ کے دروازہ پر دو چوکیدار کھڑے کر دیئے گئے جو آیت کی تحریر اور گواہوں کی موجودگی کو چیک کر کے مسجد میں داخلہ کی اجازت دیں۔

۴۔ لکھنے والی کمیٹی جو حفاظ کرام پر مشتمل تھی،وہ اپنی یاد کی ہوئی آیت کے ساتھ لکھی ہوئی آیت کا موازنہ کریں کہ واقعی یہ آیت قرآن حکیم کی ہے۔اس احتیاط کے ساتھ قرآن حکیم کو جمع کر کے ایک مصحف کی صورت میں مدون کر دیا گیا(۷۴)۔

یہ مصحف خلیفہ اول کے پاس رہا۔اس کے بعد خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے پاس رہا۔ان کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔اس دوران نامور قراء کرام کی موجودگی کی وجہ سے اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ اس کی مزید کاپیاں لکھوا کر مختلف شہروں کو ارسال کی جائیں۔اور صحابہ کرام کے انفرادی مصاحف،جن میں تفسیری نکات اور متن کا امتیاز مشکل تھا،ان پر تلاوت کرنے کو ممنوع قرار دیا جائے۔یہ مصحف صدیقی حضرت حفصہؓ کی وفات تک ان کے پاس ہی رہا۔وفات کے بعد مروان بن حکم (م-۶۵ھ) نے اپنے پاس منگوا کے جلا دیا(۷۵) یہ جمع قرآن کا دوسرا دور تھا اور اس کا سبب قراء صحابہ کی شہادت اور قرآن حکیم کے ضیاع کا خدشہ تھا۔

تیسرا دور:

جب حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی اور حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب ہوئے،تو ساری مملکت میں امن عام تھا۔لیکن ۲۵ھ میں جب آرمینیا اور آذر بائیجان (۷۶) میں بغاوت پھیلی تو شام اور عراق کی فوجیں اس طرف بھیج دی گئیں اس دوران تلاوت کرتے ہوئے اہل عراق کی تلاوت اور شامیوں کی تلاوت میں فرق پایا گیا جس نے فوج کے عمومی چند لوگوں میں اختلاف کی کیفیت پیدا کر دی اور یہ اختلاف اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۷۷) کے خیال کے مطابق جنگ کا خطرہ تھا تو انہوں نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع دی اور فرمایا((أدرک هذه الأمة قبل أن یختلفو فی الکتاب اختلاف الیهود و النصاری)) یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں جھگڑنے سے پہلے اس امت کا نوٹس لیجئے۔تو

حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کو پیغام بھیجا کہ مصحف صدیقی ہمیں دیجئے اور ایک کمیٹی تشکیل دی حضرت زیدؓ بن ثابت کی سربراہی میں اس کے دیگر ارکان عبداللہ بن زبیرؓ (۷۸) سعید بن العاصؓ (۷۹) عبدالرحمٰن بن حارثؓ (۸۰) نے اپنا کام شروع کیا۔ یہ مستقل کمیٹی تھی جس کے چاروں ارکان ضبط قرآن اور کتابت میں شہرت رکھتے تھے۔ دیگر ارکان (۸۱) وقتاً فوقتاً ان کی معاونت کرتے تھے۔ حضرت حفصہؓ کے ہاں سے حاصل کئے ہوئے مصحف صدیقی کے مشہور قول کے مطابق چھ نسخے (۸۲) تیار کئے اور حضرت حفصہؓ کو ان کا مصحف صدیقی واپس کر دیا۔

مصاحف عثمانیہ کی خصوصیات:

امیر المومنین نے ایک ہی مصحف صدیقی سے متعدد نسخے تیار کروائے۔ لہٰذا بنیادی طور پر رسم صدیقی اور رسم عثمانی میں کوئی فرق نہ تھا۔ اور یہ وہی رسم ہے جو حضور ﷺ کے دور میں معروف تھی (۸۳) البتہ چند وہ کلمات، جن کا تعلق حذف و اضافہ کے ساتھ تھا یا ایک رسم پر متعدد قراءات منطبق نہیں ہو سکتی تھی، ان میں یہ ہدایت کی گئی کہ کسی مصحف میں ایک رسم اور دوسرے میں دوسری رسم کے ساتھ لکھا جائے۔ اور یہ کل ۴۱ جگہ ہیں۔ اس کے ساتھ اس کمیٹی کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ جہاں کہیں تمہارا باہمی اختلاف آ جائے، تو قریش کی ادائیگی کی بنیاد پر رسم کو ترجیح دی جائے اور وہ اختلاف ایک ہی جگہ تھا یعنی التابوت میں کہ یہ گول تاء کے ساتھ ہو یا لمبی تاء سے، تو قریش کے تاء کے ساتھ وقف کو سامنے رکھتے ہوئے لمبی تاء کے ساتھ لکھا گیا، یہ جمع قرآن کا تیسرا دور تھا، اور اس کا بنیادی سبب عوام الناس کے مختلف قراءات شاذہ یعنی تفسیرات نبی ﷺ اور تفسیرات صحابہؓ کے خلط ملط ہونے کی وجہ سے اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ یہ مشکلات پیدا کرنے والے مصاحف کو جمع کر کے جلا دیا جائے۔ اور مرکزی مصاحف کو رائج کر دیا جائے۔ جو حضرت عثمانؓ نے کیا۔ اس جمع عثمانی میں رسم قرآن کا خصوصی اہتمام کیا گیا، اور درج ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا۔

۱۔ جہاں ایک رسم پر متعدد قراءات منطبق نہیں ہو سکتی تھیں وہاں رسم کو متعدد مصاحف پر تقسیم کر دیا گیا۔ مثلاً ایک مصحف میں حذف دوسرے میں اثبات وغیرہ۔

۲۔ یہ مصاحف مختلف شہروں کو بھیجے، اور ان کے مطابق تلاوت کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔

۳۔ مصاحف کے ارسال پر ہی اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ ہر مصحف کے ساتھ ایک ماہر قاری بھی بھیجا، کہ وہ ان کو درست قرآن حکیم پڑھائے چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ (م-۴۵ھ) مدینہ کے قاری مقرر ہوئے۔ اور عامر بن عبد قیس (م-۵۵ھ) کو مصحف بصری کے ساتھ بھیجا گیا۔ مصحف مکی کے ساتھ عبداللہ بن السائب مخزومی (م-۷۰ھ) اور مصحف کوفی کے ساتھ ابوعبدالرحمٰن سلمی (م-۷۴ھ) نیز مصحف شامی کے ساتھ مغیرہ بن شہاب (م-۹۱ھ) کو بھیجا گیا اور ایک مصحف امیر المومنین نے اپنی تلاوت کیلئے رکھا۔

۴۔ حضرت عثمان نے جمع کے وقت تاکید کی کہ ہر آیت کو لکھنے سے پہلے تسلی کرلیں کہ یہ قرآن ہے، تفسیر یا استنباط تو نہیں ہے؟

۵۔ یہ حکم جاری کیا گیا کہ کوئی آیت اس وقت نہ لکھی جائے، جب تک کمیٹی کے ماہرین سے تصدیق نہ کروالی جائے (۸۴)۔ یہ وہ عثمانی کارنامہ ہے جس نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے قرآن حکیم پر اختلاف کو ختم کر دیا۔ اسی لئے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں عثمان کی جگہ پر ہوتا تو وہی کرتا جو انہوں نے کیا۔ اس لئے عثمان کے بارے میں حسن ظن رکھو (۸۵)۔

قرآنی رسم الخط میں نقاط اور حرکات کی ابتداء:

قرآن حکیم خالص عربی میں نازل ہوا اور اس کے مخاطبین فصحائے عرب تھے، جنہیں کسی حرکت اور نقطے کی ضرورت نہ تھی۔ بغیر اعراب تلاوت کرنا ان کا فطری خاصا تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے رسم قرآنی کو اعراب اور نقاط سے خالی رکھا۔ جس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ جہاں قراءات کا اختلاف اعراب یا نقطوں کا ہے، وہاں ایک ہی رسم تمام قراءات پر منطبق ہوگئی جب اسلام اپنے سماجی اور سیاسی و معاشی عدل پر مبنی رویوں اور ضابطوں کے ساتھ غیر عرب میں متعارف ہوا اور وہ جوق در جوق اس کے نظام کو قبول کرنے لگے، تو قرآن حکیم جو اس نظام کی اساس ہے، کی تعلیم میں دقت پیش آنے لگی، اور لوگ غیر ارادی طور پر غلط پڑھنے لگے، جس سے معانی و مفاہیم بدل رہے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں آپ کو اطلاع ہوئی کہ ایک دیہاتی کو اس کے استاد نے یہ آیت اس طرح پڑھائی اِنَّ اللّٰـــہَ بَرِی ءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَرَسُوۡلِهٖ، حرکت کسرہ کے ساتھ، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مشرکین اور رسول سے بھی بیزار ہے جس کی بنیاد پر وہ دیہاتی کہتا ہے جب اللہ اپنے رسول سے بیزار ہے تو میں بھی اس سے بیزار ہوں (معاذ اللہ) جس کا حضرت عمرؓ نے نوٹس لیا اور لوگوں کو عربی سیکھنے کا حکم دیا۔ دوبارہ ابوالاسود (ت ۶۹ھ) نے یہی جملہ کسی دیہاتی سے سنا، تو حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع دی۔ آپؓ نے فرمایا، قواعد نحو وضع کرو (۶۹) پھر اموی دور میں ابوالاسود نے دس افراد کو منتخب کر کے آیات قرآنیہ پر اعراب لگانے کا کام شروع کیا، جن میں سے مشہور ترین یحییٰ بن یعمر (م-۸۹ھ) اور حسن بن یسار بصری (م-۱۱۰ھ) ہیں۔ یحییٰ بن یعمر، ابوالاسود کے شاگرد خاص بھی ہیں۔ یہ سارا عمل اموی خلیفہ، عبدالملک بن مروان (م-۸۶ھ) کے حکم سے ہوا۔ خلیفہ نے اس کام کی کل وقتی نگرانی کیلئے حجاج بن یوسف (م-۹۶ھ) کو یہ جدوجہد سونپی، جو اس نے انتہائی احسن انداز سے مکمل کی۔ ابتدائی مرحلے میں یہ طریقہ کار اختیار کیا گیا، کہ آیات قرآنیہ کی کتابت جس رنگ سے ہوئی، اس کے علاوہ کسی دوسرے رنگ سے حروف پر نقطے لگائے گئے۔ فتحہ کیلئے حرف پر ایک نقطہ، کسرہ کیلئے حرف کے نیچے اور تنوین کیلئے دو نقطے مقرر کئے۔ ضمہ کیلئے حرف کے سامنے ایک نقطہ مقرر ہوا۔ کچھ عرصہ تک یہ اصطلاحات اسی طرح رائج رہیں۔ عباسی دور میں جب اس فن کو مزید ترقی ہوگئی، اور حروف کی پہچان

کیلئے الگ علامات کی ضرورت پڑی، تو امام خلیل بن احمد فراھیدی (م-۱۷۰ھ) نے نقاط کو حرکت کی بجائے حروف معجم ۱ اور مہمل ۲ کے درمیان فرق واضح کرنے کیلئے مقرر کر دیا، اور فتحہ کے لئے حرف کے اوپر ایک لمبی لکیر کی شکل دے دی۔ اسی طرح کسرہ کو حرف کے نیچے لمبی لکیر کی شکل دی، اور ضمہ کیلئے چھوٹے سے واؤ کی صورت تجویز کر دی۔ ایسے ہی ہمزہ کو عین کے مخرج کے قریب ترین ہونے کی وجہ سے رأس العین کی شکل (ء) دے دی۔ جبکہ اس سے پہلے ہمزہ اور الف کی کتابت میں فرق نہ تھا۔ اور مشکل اس وقت پیش آتی تھی جب وہ دونوں اکٹھے آجائیں، تو قواعد رسم کے مطابق ایک کو محذوف الشکل لکھتے تھے مثلاً **جاء شاء** کی کتابت اگر اس طرح ہوتی جا ا شا ا تو ہمزہ اور الف اکٹھے ہیں، اور متماثل فی الشکل ہیں، دونوں میں سے ایک کو محذوف الشکل لکھتے ہوئے جآ اور شآ کتابت کرتے تھے۔ جبکہ غیر عرب کیلئے یہ بڑا مشکل عمل تھا۔ تو خلیل بن احمد نے ہمزہ کی الگ شکل وضع کر دی اس طرح کتابت اور قراءت دونوں کا مسئلہ حل ہو گیا (۸۶)۔

قرآن حکیم کی وجوہ اعجاز:

متقدمین اور متاخرین کے ہاں یہ بات مختلف فیہ ہے کہ قرآن حکیم کا اعجاز کس اعتبار سے ہے؟ اس میں ہر طبقے نے اپنے مذاق کے مطابق اعجاز قرآنی کو ثابت کیا، جس کی تلخیص کی جائے تو یہ چار اقسام بنتی ہیں۔

۱۔ اعجاز بیانی، ۲۔ اعجاز علمی تجربی، ۳۔ اعجاز غیبی، ۴۔ اعجاز تشریعی

۱۔ اعجاز بیانی:

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اپنی فصاحت و بلاغت میں معجزہ ہے۔ چنانچہ اس کا موازنہ جاہلیت کے شعراء سے کیا جائے، تو فرق نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً

الف۔ ایجاز و اختصار:

یہ فن بلاغت کی اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تھوڑے کلمات میں بہت گہری اور وسیع ترین حقیقت سمجھا دی جائے اس کی مثال کے طور پر اکثر ﴿**انا اعطینک الکوثر....**﴾ کے بلاغی نکتے بیان کئے جاتے ہیں۔

ب۔ تشبیہ:

یعنی کلام میں ایک غیر مادی حقیقت کو کسی مادی چیز کے ساتھ مشابہت دے کر مخاطب کے ذہن میں راسخ کرنا۔ جیسے ﴿**اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَاءٍ اَنْزَ لْنَا ہُ مِنَ السَّمَاءِ**﴾ (۸۷).

ج۔ نظم قرآنی:

اس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن حکیم اپنی ترتیب اور ترکیب حروف و کلمات میں تمام کلاموں سے فائق ہے (۸۸) اس انداز

فکر کا آغاز اس وقت ہوا جب واصل بن عطاء (م-۱۳۱ھ) نے بصرہ میں یہ بات مشہور کی کہ قرآن حکیم فی نفسہ معجز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی نے مخاطبین سے قوت معارضہ سلب کر لی تھی، اس لئے وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس نظریہ کو بعد میں ابراہیم بن سیار النظام (م-۲۳۱ھ) نے بہت پھیلایا۔ لیکن اس کے ایک شاگرد جاحظ (م-۲۵۵ھ) نے پہلی دفعہ نظم القرآن کے عنوان سے کتاب لکھی اور مذکورہ نظریہ پر رد کی اور یہ ثابت کیا کہ قرآن حکیم فی ذاتہ معجز ہے۔

اس کے بعد محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (م-۲۷۶ھ) نے تاویل مشکل القرآن کتاب لکھ کر قرآن حکیم کے ادبی اور بلاغی اعجاز کو نمایاں کیا۔ اس کے بعد پہلی مرتبہ اعجاز القرآن البیانی کے مخصوص عنوان سے ابوعبداللہ محمد بن یزید واسطی (م-۳۰۶ھ) کی تصنیف منصۂ شہود پر آئی، پھر تسلسل سے عبداللہ بن ابی داؤد سجستانی (م-۳۱۶ھ) نے نظم القرآن کے عنوان سے، اسی طرح ابوزید بلخی احمد بن سلمان (م-۳۲۲ھ) اور ابوبکر احمد بن علی المعروف ابن الاخشید (م-۳۲۶ھ) نے بھی نظم القرآن ہی کے عنوانات سے کتابیں لکھیں۔ یہاں تک کہ محمود بن عمر جاراللہ زمخشری (م-۵۳۸ھ) نے "**الکشاف عن حقائق التنزیل**" کے پرکشش عنوان سے، بلاغیات کی روشنی میں قرآن حکیم کی مکمل تفسیر لکھی۔ قرآنی رسم الخط کا خلاف عادت عرب ہونا بھی اس قسم میں داخل ہے، کہ اس کا تعلق بھی لغوی اور بلاغی نکات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں رسم عثمانی عام قواعد کتابت کے خلاف لکھی گئی ہے وہاں محققین نے اس کی بلاغی توجیہ کی ہے اور اس کے اعجاز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ﴾(۸۹) میں خلاف معمول دو یاء کے ساتھ لکھا گیا ہے جس کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ اس میں اللہ تعالی کی انتہائی زبردست قوت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے کہ بلاغی اصول ہے **کثرة المبانی تدل علی کثرة المعانی** کہ حروف والفاظ کی زیادتی معنی کی قوت اور زیادتی پر دلالت کرتی ہے(۹۰) یہ اعجاز کا نظریہ اپنی جگہ ایک حقیقت مسلمہ ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔ البتہ قرآن کریم کے اعجاز کو اس میں منحصر ماننا یقیناً محل نظر ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق صرف عرب کیساتھ ہے اور قرآن حکیم کا اعجاز کل انسانیت کیلئے ہے۔

۲۔ اعجاز علمی تجربی:

یعنی قرآن کریم کا موجودہ سائنسی حقائق کے مطابق ہونا، کہ جس قدر سائنسی حقائق منکشف ہو رہے ہیں، اس قدر قرآن کریم کی تصدیق ہو رہی ہے۔ اس نظریے کے روح رواں اور اس کے پرچار کرنے والے علامہ طنطاوی جوہری مصری (م-متوفی ۱۳۵۸ھ) ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم اپنے مفاہیم اور مطالب و مقاصد کی وضاحت اور مخاطبین کے اذہان میں اس کو راسخ کرنے کیلئے متعدد انواع کے استدلال کرتا ہے، جن میں سے ایک کائنات کی حرکات وسکنات اور تغیرات بھی ہیں۔ اور پھر ان میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ تاکہ اس میں غور وفکر سے انسان اس نتیجے پر پہنچ سکے، جو قرآن حکیم کا مقصود اصلی ہے۔ یقیناً اس غور وفکر کے راستے پر چلنے کیلئے ایک عاقل انسان، تمہیدی اور اساسی ضابطے بھی وضع کرتا ہے۔ اور مفروضے بھی طے کرتا ہے۔ اور عقلی ترقی

کے ساتھ ساتھ بسا اوقات اپنے طے کردہ ضوابط یا مفروضوں کو تنقید کا نشانہ بھی بناتا ہے۔ اور اس طرح دوسرے ضوابط اور مفروضے وضع کرتا ہے۔

اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ قرآن حکیم اپنی بات سمجھانے میں انسانی عقل کے ایجاد کردہ ضابطوں کا محتاج ہے، کہ جب تک یہ سائنس کی مادی جزئیات نہیں سمجھ آئیں گی تو قرآن حکیم کا سمجھنا ناممکن ہوگا۔ لہذا قرآن حکیم پڑھنے سے پہلے، فزکس، کیمسٹری اور دیگر سائنسی علوم وفنون حاصل کئے جائیں، پھر قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے۔ اور چونکہ یورپ جدید سائنس کا بانی ہے، لہذا قرآن فہمی کا بانی بھی وہی ہوا۔ یہ رائے تو کسی صورت درست قرار نہیں دی جاسکتی دوسرا یہ کہ قرآن حکیم کے مقاصد ومطالب کو سمجھنے کیلئے عقلی تدبر اور غور وفکر سے کام لیا جائے، اور اس کے آیات کو نیہ سے طریق استدلال کو سمجھا جائے، لہذا ہر دور کا عاقل، جس کو انسانی سماج کا کوئی مسئلہ درپیش ہو، تو قرآن حکیم میں غور وفکر کر کے اس کا حل نکال سکتا ہے۔ تو اصل یہ سائنسی مادی جزئیات نہیں ہیں اصل چیز قرآن حکیم کی بتائی ہوئی سیاسی، معاشی، سماجی تشکیل کی راہ نمائی ہے، چونکہ وہ راہنما کتاب ہے۔ اس کا کام انسان کے فطری ارتقاء کو ہر شعبہ میں جاری وساری رکھنا ہے۔ اس کے لئے ہر دور کا انسان اپنے اپنے ادوار کی عقل وفہم کو استعمال میں لا کر یہ مقصد قرآنی حاصل کر سکتا ہے دونوں نتائج میں فرق نمایاں ہے۔

۳۔ اعجاز غیبی:

ایسی غیبی باتوں کی اطلاع دینا، جن کے ادراک اور پہنچ کیلئے عقل انسانی کے پاس سوائے وحی کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ چاہے ان کا تعلق ماضی کے حقائق سے ہو یا مستقبل سے، چنانچہ انبیاء کرامؑ اور ان کی امتوں کے مفصل واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔ بسا اوقات مکہ کے منکرین، اہل کتاب سے اسی طرح کے سوالات حاصل کرتے تھے اور یہ جاننے کی کوشش کرتے تھے کہ آپؐ نبی برحق ہیں یا نہیں، ایک موقع پر یہود نے ان سے کہا کہ ان سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کرو کہ ان کی تفصیلات سوائے نبی مرسل کے کوئی نہیں جانتا۔ جس کے جواب میں سورۃ الاسراء کی آیات اور سورۃ الکہف اتری (۹۱) اسی طرح مستقبل کے غیب پر مبنی اطلاعات بھی قرآن حکیم کے اعجاز پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً مکی سورت میں مستقبل کی کامیابی اور مخالفین کی ناکامی کی نوید سنانا۔ ﴿سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَیُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ﴾ (۹۲) ﴿وَاللّٰهُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾ (۹۳)۔ ﴿قُلۡ لِّلۡمُخَلَّفِیۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ اُولِیۡ بَاۡسٍ﴾ (۹۴)۔

۴۔ اعجاز تشریعی:

قرآن حکیم کا اعجاز یہ ہے کہ اس نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ عقیدہ سے لے کر ازدواجی زندگی، تجارتی زندگی، اخلاقی اور معاملات کی زندگی کے متعلق جہاں راہنمائی کی ہے، وہاں قوموں کے درمیان جنگ اور امن کے معاہدات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اور ان تمام چیزوں کو ایسے پرکشش انداز سے بیان فرمایا کہ سمجھنے والے کے ذہن میں اترتا چلا جاتا

ہے(۹۵) درحقیقت قرآن حکیم کا اعجاز کسی ایک وجہ میں منحصر نہیں ہے۔یقیناً اس کا اعجاز بلاغی بھی ہے غیبی اور تشریعی بھی ہے تاہم اعجاز بلاغی کا حقیقی ادراک تو اہل لغت کو ہی ہوسکتا ہے، غیر عرب اس ادراک کی گہرائی تک کسی صورت نہیں پہنچ سکتے(۹۶)۔

رسم کے قواعد ستہ اور قرآن کریم کا اعجاز:

ا۔ حذف کا قاعدہ:

قاعدہ رسم یہ ہے کہ حروف مدہ کسی کلمہ کے درمیان میں آجائیں یا حروف متماثل فی الرسم اکٹھے آجائیں، تو ایک کو کتابتاً حذف کردیا جاتا ہے مثلاً

ا۔ یـأیھـا الـنـاس میں یائے ندا کا الف حذف کردیا گیا ہے، اور أیھا کا ہمزہ بشکل الف لکھ دیا گیا ہے ﴿قَـالَ رَجُلٰنِ﴾ (۹۷) میں لام کے بعد الف مدہ کے حذف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ الرحمن ہمیشہ حذف الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

ب۔ واؤ مدہ بھی درمیان کلام میں اپنے مماثل کے ساتھ آجائے تو اس کو حذف کردیا جاتا ہے۔ جیسے ﴿أَ فَـمَنْ كَـانَ مُـؤْمِـنًـا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوٗنَ﴾ (۹۸) کہ دراصل دو واؤ کے ساتھ لا یَسْتَوٗ ونَ ہے ایسے ہی ﴿فَكُبْكِبُوْا فِيْهَـا هُمْ وَ الْغَـاوٗنَ﴾ (۹۹) دراصل وَالْغَاوُونَ دو واؤ سے ہے ﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ﴾ (۱۰۰) دراصل دَاوُودُ دو واؤ کے ساتھ ہے ایک کو حذف کردیا جاتا ہے ﴿فَـأْوٗا﴾ (۱۰۱) دراصل فَـأْوُوا دو واو کے ساتھ ہے۔ ﴿يَلْوٗنَ﴾ (۱۰۲) دو واؤ کے ساتھ ہے وغیرہ۔

ج۔ کبھی کسی اسم یا فعل میں یاء زائدہ آجائے تو قراءت کے ساتھ کتابت میں بھی اس کو حذف کیا جاتا ہے۔ جیسے ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (۱۰۳) دراصل دَعَانِىْ، ﴿وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ﴾ (۱۰۴) دراصل اَلْمُنَادِىْ، ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ﴾ (۱۰۵) دراصل یسری ہے وغیرہ۔

د۔ حروف متماثل فی الرسم میں خصوصاً لام کو حذف کردیا جاتا ہے جیسے والـلیل کو ایک لام کے ساتھ والیل، الذین دراصل اللذین دو لام کے ساتھ ہے لیکن ایک لام کے ساتھ لکھا جاتا ہے(۱۰۶) یہ کتابت قدیم عرب کا دستور تھا۔لیکن قرآن حکیم میں چند مثالیں ایسی ہیں جن پر یہ قاعدہ منطبق نہیں ہوتا مثلاً سبحـن ہر جگہ بحذف الف لکھا گیا ہے لیکن ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (۱۰۷) میں الف کے ساتھ ہے ایسے ہی اللہ، الـلعنة وغیرہ میں باوجود متماثل فی الرسم ہونے کے دونوں لام لکھے گئے ہیں۔ اسی فرق عادت ہونے کا نام قرآن کریم کا اعجاز ہے۔

۲۔ اضافہ کا قاعدہ:

اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم میں کچھ حروف کسی نہ کسی علامت کے طور پر زوائد لکھے گئے ہیں گو وہ پڑھنے میں نہیں آتے جیسے ﴿مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ (۱۰۸) یہ الف، واؤ جمع کی علامت کے طور پر ہے۔لیکن ﴿وَلَا اَوْ ضَعُوْا خِلٰلَكُمْ﴾ (۱۰۹) ﴿أَوْلَا أَذْ بَحَنَّه‘﴾ (۱۱۰) ﴿ثَلَاثَ مِائَةُ سِنِيْنَ﴾ (۱۱۱) اور اس طرح کی دوسری مثالوں میں ایک حرف کا اضافہ ہے جو کہ اہل عرب کے قواعد رسم کے خلاف ہے، اور کسی علامت کے طور پر مستعمل بھی نہیں ہے۔

۳۔ ہمزہ بصورت عین (ء) کی کتابت کا قاعدہ عرب میں معروف نہ تھا۔اس لئے ان کے ہاں ہمزہ لکھنے کے معروف طریقے تھے۔ مثلاً ہمزہ ساکنہ، اگر فتحہ کے بعد ہو تو بصورت الف، اگر ضمہ کے بعد ہو تو بصورت واؤ اور کسرہ کے بعد بصورت یاء لکھا جاتا ہے مثالیں بالترتیب یہ ہیں :البأساء ، اؤ تمن ، ائذن. اسی طرح حرف متحرک کے بعد اپنی موافق حرکت کے اعتبار سے لکھا جاتا ہے۔مثلاً مضموم بصورت واؤ جیسے نقرؤه ،یبدؤ، اور مکسور بصورت یاء جیسے سئل.لیکن اس کے برعکس کبھی محذوف الشکل لکھا گیا ہے۔یعنی واؤ، الف اور یاء کی صورت کی بجائے درمیان سطر میں لکھا گیا ہے جیسے ملء الأرض، الخبء، دفء وغیرہ۔اور کبھی فتحہ کے بعد بصورت واؤ لکھا گیا ہے جیسے ﴿وَقَالَ الْمَلَؤُ﴾ (۱۱۲) اسی طرح معروف قاعدہ کے مطابق ہمزہ متطرفہ جو الف کے بعد ہو وہ محذوف الشکل ہوتا ہے۔جیسے ﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ﴾ (۱۱۳) اور اکثر قرآن حکیم میں ایسا ہی ہے لیکن دو جگہ میں یہی کلمہ بصورت واؤ لکھا گیا ہے۔

۱. ﴿زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا﴾ (۱۱۴) ۲. ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ﴾ (۱۱۵)

۴۔ بدل کا قاعدہ:

الف واوی کو واؤ کے ساتھ اور الف یائی کو یاء سے بدل کر لکھتے ہیں۔جیسے الصلوة ، الزكوة، الربو، والضحى وغیرہ لیکن كلتا ، عصانى، تترا میں واوی کو الف کے ساتھ ہی لکھا گیا ہے۔اسی طرح وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِيْنَةِ میں أقصا کو باوجود یائی ہونے کے الف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

۵۔ مقطوع وموصول کا قاعدہ:

قرآن حکیم میں کئی جگہ دو حروف کو ملا کر لکھا گیا ہے، جبکہ دوسری بعض جگہوں سے جدا کر کے لکھا گیا ہے۔جیسے ان کو لا سے دس جگہوں میں الگ کر کے لکھا گیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔﴿اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ﴾ (۱۱۶) ۲۔﴿اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ﴾ (۱۱۷) ۳۔﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ﴾ (۱۱۸) ۴۔ ﴿اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ﴾ (۱۱۹) ۵۔﴿اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ﴾ (۱۲۰) ۶۔﴿اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِىْ شَيْئًا﴾ (۱۲۱) ۷۔﴿اَنْ لَّا يَدْ خُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِسْكِيْن“﴾ (۱۲۲) ۸۔ ﴿اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ﴾ (۱۲۳)

۹۔﴿اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ﴾ (۱۲۴) ۱۰۔﴿حَقِیْق" عَلٰی اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ (۱۲۵) اس حرف کو مذکورہ دس جگہوں کے علاوہ ملا کر لکھا گیا ہے۔ جیسے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ﴾ (۱۲۶) ﴿اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ﴾ (۱۲۷) ۔ (۱۲۸) اس نون کو ادغام کے ساتھ، کتابت میں بھی حذف کرنے کو، موصول کہا جاتا ہے اور اس سلسلے میں مصحف کی اتباع ضروری ہے کوئی قاعدہ معروفہ نہیں ہے۔

٦۔ قاعدہ اختلاف قراءت:

یعنی ایسا کلمہ جس میں متعدد قراءات ہوں تو ایسی رسم اختیار کرنا کہ وہ قراءات پر منطبق ہو سکے جیسے فســـو کو نقاط و اعراب کی تبدیلی کے ساتھ فتبینوا اور فتثبتوا دونوں قراءتوں میں پڑھا جا سکتا ہے۔ رسم میں دونوں کا احتمال ہے۔ مذکورہ بالا قواعد ستہ کے تناظر میں غور کیا جائے تو کئی ایک کلمات قرآنیہ عرب کی معروف کتابت کے اصول کے خلاف ہیں۔ اسی سے علماء رسم نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ یہ بھی درحقیقت رسم کے باب میں قرآنی اعجاز ہے اور یقیناً یہ اعجاز اہل لغت یعنی عرب کیلئے ہے کہ اس کا تعلق عربی رسم الخط کے ساتھ ہے۔ مشہور عارف باللہ عبد العزیز الدباغ (۱۲۹) کے حوالے سے ان کے مرید مبارک لمطی (م-۱۱۵۶ھ) نے کہا ہے کہ جب ان سے رسم قرآنی کی بابت سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "سر من أسرار الله" مزید تاکید کر کے فرمایا کہ صحابہ یا کسی اور کا رسم قرآنی میں ایک بال برابر بھی نیا کام نہیں۔ یہ صرف نبی اکرمؐ کی طرف سے توقیف و تعلیم ہے۔ اور یہ صرف قرآن سے مخصوص ہے۔ استدلال میں انہوں نے فرمایا کہ مائة میں الف زائد کیوں ہے جبکہ فئة میں نہیں ہے؟ ﴿بِاَیِّیکُمُ الْمَفْتُوْنُ﴾ (۱۳۰) اور ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْیدٍ﴾ (۱۳۱) میں یاء کیوں زائدہ ہے؟ ﴿وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْٓ ءَایٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ﴾ (۱۳۲) میں سعوا کے آخر میں الف کیوں زیادہ ہے جبکہ (سبا ۵) میں الف نہیں ہے قرء انا (یوسف اور زخرف) میں ہمزہ کے بعد الف مرسوم نہیں ہے جبکہ دیگر جگہوں میں الف بعد الہمزہ بھی لکھا گیا ہے؟ مزید فرمایا کہ اس کا ادراک عام عقول بشریہ کے بس سے باہر ہے اس راز کو خواص ہی پا سکتے ہیں (۱۳۳)۔

حوالہ جات

۱۔ الاسراء ۸۸

۲۔ ھود:۱۳

۳۔ البقرۃ ۲۳

۴۔ ابن منظور(م-۷۱۱ھ)،لسان العرب دارصادر، بیروت (س ن) مادہ ''رسم'' ۲۴۱/۱۲

۵۔ قسطلانی (م-۹۲۳ھ)، محمد بن مکرم احمد بن محمد، شہاب الدین لطائف الأشارات لفنون القراء ات تحقیق عامر السید عثمان وزمیلہ، لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، القاھرہ ۱۳۹۲ھ

۶۔ ابوزیتخار، احمد بن محمد لطائف البیان فی رسم القرآن شرح موردالظمآن طبع اول ۱۹۰۳ مطبعۃ الأزھر، قاھرہ، ص ۱۴-۱۵

۷۔ الزرقانی (۱۳۷۶ھ) محمد عبدالعظیم، مناھل العرفان فی علوم القرآن، داراحیاء الکتب العربیۃ، القاھرہ (س ن)

۸۔ محمد سالم محیسن: الفتح الربانی فی علاقہ القراء ات بالرسم العثمانی ط۔ ادارۃ الثقافۃ والنشر، جامعۃ امام محمد بن سعود ۱۹۹۴ء، ص ۲۰

۹۔ ابراہیم بن احمد، مارغینی (م-۱۳۲۵ھ)، دلیل الحیران شرح مور د الظمآن فی علم رسم القرآن ط. الکلیات الأزھریۃ، القاھرۃ ۱۳۲۶ھ، ص ۴۰

۱۰۔ الانعام:۵۲

۱۱۔ عبدالفتاح، القاضی (م-۱۴۰۴ھ)، البدور الزاھرۃ فی القراء ات العشر المتواترۃ، قراءت اکیڈمی لاہور (س ن) ص ۱۰۳

۱۲۔ دانی، ابوعمرو (م-۴۴۴ھ)، المقنع فی رسم مصاحف الا مصار، ط، الکلیات الازھریۃ، القاھرۃ، ص ۷۷

۱۳۔ زرقانی (م-۱۳۷۶ھ)، مناھل العرفان، ۳۷۵/۱

۱۴۔ یوسف داؤد مطران، اللمعۃ الشھیۃ فی اللغۃ السریانیۃ ط الموصل ۱۸۷۹ء، ص ۵۸

15. الجمعۃ:۲

۱۶۔ الاعراف:۱۵۷

۱۷۔ العنکبوت:۴۸

۱۸۔ عراق کے مغرب میں معروف صوبائی دارالخلافۃ جواب بھی خوب آباد ہے۔ اس شہر کو حضرت خالد بن ولیدؓ نے ۶۳۴ھ فاروقی دور میں فتح کیا تھا [ابن عبدالبر یوسف بن عبداللہ (م-۴۶۳ھ)، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، مطبعۃ السعادۃ، القاھرۃ طبع اول ۱۳۲۸ھ، ۱۱/۲-۱۴]

۱۹۔ دانی (م-۴۴۴ھ)، المحکم فی نقط المصاحف، تحقیق، عزۃ حسین، دارالفکر، بیروت، طبع دوم ۱۴۰۸ھ، ص ۲۲

۲۰۔ منذر بن عمرو مشہور صحابی رسول ﷺ ان ستر قراء صحابہ کرام میں سے ہیں، جن کو آپ نے اہل مدینہ کی تربیت کیلئے بھیجا تھا اور تمام بئر معونہ میں شہید کردیئے گئے تھے۔ [ابن حجر (۸۵۲ھ) احمد بن علی العسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، مطبعۃ السعادۃ، القاھرۃ، طبع اول ۱۳۲۸ھ: ۱۲۳/۳]

۲۱۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (۲۷۹ھ) السنن، ابواب الا ستیذان والآداب باب تعلیم السریانیۃ، حدیث نمبر ۲۶۳۹

۲۲۔ حمیر، عرب اور فارس کے درمیان مملکت جو ۱۱۵ قبل مسیح وجود میں آئی، اور جس کے آخری بادشاہ یوسف ذونواس نے یہودی مذہب اختیار کر

کے عیسائیت پر انتہائی مظالم ڈھائے تھے۔رسول اللہ کی تشریف آوری سے پہلے اہل حبشہ نے اس کو فتح کرلیا تھا[ابن الجوزی،ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی (م-۵۹۷ھ)المنتظم فی تاریخ الامم ادارۃ الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۲ء:۱/۵۶](اس کی طرف نسبت کی وجہ سے خط حمیری کہلاتا ہے)

۲۳۔ خالد بن ابی الھیاج،صدر اول کے عظیم الشان کاتب،حضرت علیؓ کے شاگرد(۷۷ھ) میں فوت ہوئے۔ابن الندیم (م-۳۸۵ھ) محمد بن اسحاق،الفہرست،دارالمعرفۃ،بیروت ۱۹۷۸ء ،۱/۹]

۲۴۔ ابن مقلہ،محمد بن علی بن حسین بن مقلہ،حسن کتابت میں ضرب المثل تھے۔متعدد خلفاء کے ادوار میں زیادہ تر مالیانہ وصول کرنے کی ذمہ داری پر مامور تھے۔عباسی خلیفہ راضی باللہ(۳۲۹ھ) کے دور میں ۳۲۸ھ کو فوت ہوئے۔[ابن خلکان(۶۸۱ھ) احمد بن محمد بن ابی بکر، وفیات الاعیان وأنباء ابناء الزمان ، تحقیق،ڈاکٹر احسان عباس،دارصادر بیروت(س ن) ،۵/۱۱۳]

۲۵۔ ابن الندیم(۳۸۵ھ)، الفہرست،ص۶

۲۶۔ صبحی صالح(۱۹۸۶ء)، مباحث فی علوم القرآن دارالعلم،بیروت،طبع خامس ۱۹۶۸ء،ص۹۹

۲۷۔ العنکبوت:۴۸

۲۸۔ ابن ماجہ،محمد بن یزید الربعی،ابوعبداللہ قزوینی(۲۷۳ھ)السنن ، حدیث نمبر۲۴۲۲

۲۹۔ البخاری(۲۵۶ھ)الجامع الصحیح ،حدیث نمبر۳۹۲۰

۳۰۔ علاؤالدین علی،متقی،ہندی(۹۷۵ھ) کنز العمال فی سنن الأقوال والافعال ط۔مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت ۱۴۰۹ھ،۱۰/۳۱۴

۳۱۔ الآلوسی(۱۲۷۰ھ)محمود،شہاب الدین، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، مکتبہ امدادیہ ملتان(س ن)،۲۱/۴

۳۲۔ آل عمران:۱۳۳

۳۳۔ العکبری،عبداللہ بن حسین،ابوالبقاء(۶۱۶ھ) املاء ما من بہ الرحمن فی وجوہ الاعراب والقراء ات فی جمیع القرآن، تحقیق ابراہیم عطوہ عوض،القاھرۃ،طبع دوم ۱۹۶۹ء،ص۱۴۹

۳۴۔ طٰہٰ:۶۳

۳۵۔ ابن الجزری(۸۳۳ھ) محمد بن محمد،تقریب النشر فی القراء ات العشر، تحقیق علی عبدالقدوس،بیروت،طبع اول ۲۰۰۰ء،۲۹۹

۳۶۔ سراج الدین عثمان(۷۵۸ھ)ھدایۃ النحو،طبع آرام باغ کراچی،ص۱۵

۳۷۔ قیسی،مکی بن ابی طالب(۴۳۷ھ)الکشف عن وجوہ القراء ات و عللھا وحججھا، تحقیق،ڈاکٹر محی الدین رمضان،مجمع اللغۃ العربیۃ،دمشق،سوریا،۱۹۷۴ء

۳۸۔ ابن درید،محمد بن الحسن(۳۲۱ھ) جمہرۃ اللغۃ،دائرۃ المعارف،الہند ۱۳۴۴ھ

۳۹۔ النجم:۱۹

۴۰۔ بخاری(۲۵۶ھ)الجامع الصحیح ، حدیث نمبر۳۲۴۴

۴۱۔ عبدالفتاح،قاضی(۱۴۰۴ھ)، تاریخ المصحف الشریف، مکتبہ الجندی،القاھرۃ(س ن)

۴۲۔ النساء:۱۰۹

۴۳۔ الملک:۲۲

۴۴۔ اضراب کا معنی ہے: الاعراض عن الاخبار الاول والا ستیناف بسوال آخر یعنی پہلی بات سے اعراض کرتے ہوئے دوسری بات کو ثابت کرنا:[سراج الدین عثمان (۷۵۸ھ)ھدایة النحو

۴۵۔ دانی (۴۴۴ھ)، المقنع

۴۶۔ النحل:۹۰

۴۷۔ الاعراف:۱۴۵

۴۸۔ دانی (۴۴۴ھ)، المقنع :ص۷۷

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ الذاریات:۴۷

۵۰۔ زرقانی (۱۳۷۶ھ)،منا ھل العرفان،۲۶۳/۱

۵۱۔ ایضاً :۲۶۴/۱۔۲۶۵

۵۲۔ مارغینی ابراہیم بن احمد،(۱۳۲۵ھ)،دلیل الحیران شرح مورد الظمأن فی علم رسم القرآن، الکلیات الأ زھریة ،القاھرة،۱۳۲۶ھ

۵۳۔ الزرقانی (۱۳۷۶ھ)منا ھل العرفان ،۲۶۵/۱

۵۴۔ دانی (۴۴۴ھ)المقنع

۵۵۔ ایضاً،ص۱۰

۵۶۔ الزرکشی محمد بن عبداللہ، بدرالدین (۷۹۴ھ) البرھان فی علوم القرآن، تحقیق محمد ابوالفضل، مصطفیٰ البابی ،القاھرة (س ن)،۳۷۹/۱

۵۷۔ ابن درستویہ،عبداللہ بن جعفر (۳۴۷ھ) کتاب "الکُتّاب" تحقیق، ڈاکٹر ابراہیم سامرائی طبع اول ،عمان ۱۴۱۲ھ

۵۸۔ بیہقی (۴۵۸ھ)،شعب الایمان،باب: تعلموا العربیة و تفقھوا دار الکتب العلمیة بیروت (س ن)،۲۰۶/۶

۵۹۔ باقلانی (۴۰۳ھ)، اعجاز القرآن منشأة المعارف.الاسکندریہ،مصر طبع ثالث

۶۰۔ ابن خلدون،عبدالرحمٰن بن محمد (۸۰۸ھ)، المقدمہ، دار الفکر، بیروت ۱۹۹۹ء

۶۱۔ زرکشی (۷۹۴ھ)،البرھان ،۳۷۹/۱

۶۲۔ عزالدین، قاضی، دمشق کے مشہور خطیب، مفتی، صلیبی جنگوں میں اور تاتار کے فتنوں کے خلاف نمایاں کردار رہا ۶۶۰ھ میں فوت ہوئے [السبکی عبدالوھاب (۷۷۱ھ)،طبقات الشافعية طبع اول عیسی الحلمی ،القاھرة ۸۰/۵۔۱۰۷]

۶۳۔ زرقانی (۱۳۷۶ھ)،مناھل العرفان،۳۸۵/۱

۶۴۔ شاطبی، ابوالقاسم بن فیرہ (۵۹۰ھ) عقیلة اتراب القصائد فی أسنی المقاصد، قراءات اکیڈمی، لاہور،ص۱۲۱

۶۵۔ نذر محمد، قاری (۱۳۶۷ھ)،تسھیل البیان فی رسم خط القرآن، مکتبة صوت القرآن دیوبند، ۱۴۰۵ھ،ص۱۶۲

۶۶۔ غانم قدوری احمد، رسم المصحف، طبع اول اللجنة الوطنیہ، بغداد، عراق ۱۴۰۲ھ۔ص۱۸۹۔۱۹۰

۶۷۔ البخاری (۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ،حدیث نمبر ۳

۶۸۔ زرقانی (۱۳۷۶ھ)،مناھل العرفان،۹۳/۱

۶۹۔ البقرة:۲۸۱

۷۰۔ حاکم، محمد بن عبداللہ، نیساپوری (۴۰۵ھ)، المستدرك على الصحيحين ط. دار الکتاب العربی بیروت (س۔ن)، ۲/۲۲۹

۷۱۔ ابن عساکر، علی بن حسن بن ھبۃ اللہ (۵۶۱ھ) تاریخ دمشق طبع. دار المسیرہ، بیروت طبع ثانی ۱۳۹۹ھ، ۳۳۱۔۳۴۶

۷۲۔ ابن ابی داؤد عبداللہ بن سلیمان (۳۱۴ھ)، المصاحف، تحقیق محب الدین عبدالسبحان، ادارۃ الشئون الاسلامیۃ، قطر، طبع اول ۱۹۹۵ء، ۱/۳۷۳۔۳۸۰

۷۳۔ بغوی، حسین بن مسعود (۵۱۶ھ)، شرح السنۃ، دار الکتب، بیروت طبع ثانی ۱۴۰۳ھ، ۴/۵۲۱۔۵۲۳

۷۴۔ ابن کثیر، اسماعیل، ابوالفداء، عماد الدین (۷۷۴ھ) فضائل القرآن دار الأندلس، بیروت (س ن)، ص ۱۹

۷۵۔ آرمینیا وسطی ایشیاء کی مشہور ریاست ایران کی حدود کے ساتھ متصل دجلہ وفرات کا منبع ہے۔ آذربائیجان بھی سابقہ سوویت یونین کی مشہور ریاست، بحر قزوین پر واقع ایران کی حدود کے ساتھ متصل، پٹرول کا خزانہ، قوقاز کے پہاڑوں سے ڈھانپا ہوا علاقہ ہے۔ [المنجد فی الاعلام کرم بستانی اور رفقاء ط. دار المشرق، بیروت طبع ۲۸، ۱۳۸۶ھ، ۳۹۔۳۳]

۷۶۔ حذیفہ بن یمان نبی اکرم ﷺ کے راز دان صحابی ہیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے دور میں ۳۶ھ وفات پائی [ابن حجر الاصابۃ، ۱/۳۱۷]

۷۷۔ عبداللہ بن زبیر بن عوام، ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین کے ہاں سب سے پہلے نومولود (۷۳ھ) کو شہید ہوئے [ابن حجر (۸۵۲ھ): تقریب التہذیب، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، طبع اول ۱۴۰۶ھ، ۱/۳۰۳]

۷۸۔ سعید بن العاص بن سعید بن العاص، حضور ﷺ کی وفات کے وقت ۹ سال عمر تھی۔ ۵۸ھ کو فوت ہوئے [تقریب التہذیب، ۱/۲۷۳]

۷۹۔ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی، کبار تابعین میں سے ہیں، ۴۳ھ کو فوت ہوئے [تقریب التہذیب، ۱/۳۳۸]

۸۰۔ مذکورہ چار افراد کی معاونت کرنے والے افراد کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ مالک بن ابی عامر (۵۵ھ) ۲۔ کثیر بن افلح (۶۳ھ) ۳۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص (۶۵ھ) ۴۔ عبداللہ بن عباس (۶۸ھ) ۵۔ عبداللہ بن عمر بن الخطاب (۷۳ھ) ۶۔ انس بن مالک (۹۳ھ) [الحداد، محمد بن علی بن خلف الحسینی، الکواکب الدریۃ فیما یتعلق بالمصاحف العثمانیۃ مصطفی البابی الحلبی، القاہرۃ ۱۳۴۴ھ، ص ۲۹]

۸۱۔ ایک قول میں پانچ تھے اور ایک میں آٹھ تھے۔ ان اقوال میں تطبیق یہ دی جاتی ہے کہ جنہوں نے پانچ بتائے وہ حضرت عثمانؓ کے ارسال کردہ مصاحف کو شمار کرتے ہیں، امیر المؤمنین کے ذاتی مصحف کو شمار نہیں کرتے۔ اسے شمار کرنے والوں نے چھ بتائے دوسرے مرحلے میں یمن اور بحرین کو بھی بھیجے گئے۔ ان کو ملا کر آٹھ کا قول بھی ملتا ہے۔ اسی لئے راجح یہی ہے کہ پہلے چھ مصاحف لکھوائے گئے تھے۔ دیکھئے: الدانی ابوعمرو (۴۴۴ھ)، المقنع، ص ۱۲

۸۲۔ نذر محمد (۱۳۶۷ھ)، تسہیل البیان، ص ۴۰۔۱۴

۸۳۔ محمد ابوزہرۃ (۱۹۷۴ء)، المعجزۃ الکبری ط. دار الفکر العربی، القاہرۃ ۱۴۱۸ھ، ص ۲۹

۸۴۔ بیہقی (۴۵۸ھ) احمد بن حسین (۴۵۸ھ)، السنن الکبری مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، ہند ۱۳۴۴ھ، ج ۲ ص ۴۲

۸۵۔ الآلوسی (۱۲۷۰ھ) روح المعانی، ج ۷، ص ۱۵۳

۸۶۔ الدانی (۴۴۴ھ) المحکم فی نقط المصاحف، ص ۸۳

۸۷۔ یونس: ۲۴

۸۸۔ سیوطی (۹۱۱ھ)، معترك الاقران فی اعجاز القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت (س ن)، ۱/۳۰۰

۸۹۔ الذاریات: ۴۷

۹۰۔ زرقانی (۱۳۷۶ھ)، مناھل العرفان، ج۱، ص۲۶۳

۹۱۔ طنطاوی، جوہری، الجواھر فی تفسیر القرآن الکریم دار الکتب العلمیۃ بیروت (س۔ن) ،۲۵/۵۶

۹۲. القمر:۴۵

۹۳۔ المائدہ:۶۷

۹۴۔ الفتح:۱۶

۹۵۔ السیوطی (۹۱۱ھ)، لباب النقول فی اسباب النزول ط.دار احیا العلوم، بیروت، طبع ثانی ۱۹۷۹ء، ص۱۵۵

۹۶۔ مصطفیٰ مسلم ڈاکٹر، مباحث فی اعجاز القرآن ، دار المنارۃ، جدہ (س ن)، ۲۲۱۔۲۴۶

۹۷۔ شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، فرید بک ڈپو، دہلی، (س ن)، ص۱۳۷

۹۸. المائدہ ۲۳

۹۹۔ الم السجدہ:۱۸

۱۰۰۔ الشعراء:۹۴

۱۰۱۔ البقرۃ:۲۵۱

۱۰۲۔ الکہف:۱۶

۱۰۳۔ آل عمران:۷۸

۱۰۴۔ البقرۃ:۱۸۶

۱۰۵۔ ق:۴۱

۱۰۶۔ الفجر:۴

۱۰۷۔ حسنی شیخ عثمان، حق التلاوۃ ط.ادارۃ معارف العربیۃ الاسلامیۃ پشاور (س۔ن) ص۲۴۱۔۲۴۷

۱۰۸۔ الاسراء:۹۳

۱۰۹۔ البقرۃ:۴۶

۱۱۰۔ البراءۃ:۴۷

۱۱۱۔ النمل:۲۱

۱۱۲۔ الکہف:۲۵

۱۱۳۔ المومنون:۲۴

۱۱۴۔ الانعام:۹۵

۱۱۵۔ الانعام:۱۰۱

۱۱۶۔ الشوری:۲۱

۱۱۷۔ التوبہ:۱۱۸

۱۱۸۔ الانبیاء:۸۷

۱۱۹۔ یٰس:۶۰

۱۲۰۔ ہود:۲۶

۱۲۱۔ الممتحنہ:۱۲

۱۲۲۔ الحج:۶۲

۱۲۳۔ القلم:۲۴

۱۲۴۔ الدخان:۱۹

۱۲۵۔ الاعراف:۱۶۹

۱۲۶۔ الاعراف:۱۰۵

۱۲۷۔ ھود:۲

۱۲۸۔ النمل:۳۱

۱۲۹۔ اظہار احمد، تھانوی، قاری (۱۹۹۱ء) الجواھر النقیه شرح المقدمة الجزریه ط قراءت اکیڈمی لاہور (س۔ن) ،ص۲۲۰۔۲۵۲

۱۳۰۔ عبد العزیز بن مسعود، ابو فارس، الدباغ ،صوفی ، عارف باللہ، اپنے وقت کے مشائخ اور اساتذہ کی صحبتیں خوب میسر رہی ہیں۔ فاس میں ۱۱۳۲ھ کوفوت ہوئے۔ ان کے ایک مرید خاص احمد بن مبارک نے ان کے ارشادات پر مشتمل کتاب لکھی۔ جس کا نام ہے الابـریـز من کلام سیدی عبد العزیز، [الأعلام ،۲۸/۴]

۱۳۱۔ القلم:۶

۱۳۲۔ الذاریات:۴۷

۱۳۳۔ الحج:۵۱

۱۳۴۔ الزرقانی (۱۳۷۶ھ) منا هل العرفان :۳۷۵/۱. محمد عبد العظیم زرقانی نے احمد بن المبارک کی تصنیف کتاب الابریز سے یہ بات نقل کی ہے۔ مذکورہ کتاب کے متعلق قاری اظہار احمد تھانوی مرحوم نے لکھا ہے کہ ۱۳۰۶ھ میں طبع ہوئی ہے لیکن سن طبع ،مکان طبع وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا :ایضاح المقاصد ،ص۴۰۔ اور اب میسر مکتبوں میں تلاش کے باوجود اصل کتاب کے متعلق علم نہ ہوسکا۔